اخبار امت

اراکان: جدوجہد کا پس منظر

امجد عباسی

اراکان (برما) خلیج بنگال کے مغرب میں واقع وہ خطہ ہے جہاں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی اور اب انتہائی کس مپرسی کی حالت میں غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ برما کی فوجی حکومت نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے اور بڑی تعداد میں مسلمان بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہیں۔ مگر عالم اسلام کی بے خبری اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اراکان کا خبروں کی حد تک بھی وہ تذکرہ نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔

پیرس میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی یونین نے، جس میں ۶۴ تنظیمیں باقاعدہ شامل ہیں اور ۴۱ کا الحاق ہے، اپنی رپورٹ میں برما کی فوجی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ مسلم اقلیت پر ظلم ڈھا رہی ہے اور نسل کشی میں مصروف ہے۔ اس ظالمانہ پالیسی کے نتیجے میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان بنگلہ دیش میں پناہ گزین ہیں اور بڑی تعداد میں مسلمان اپنے گھر چھوڑ کر جنگلوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ انسانی حقوق کی یونین کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف امتیازی اور متعصبانہ سرگرمیاں منظم طریقے سے جاری ہیں۔ ان سے جبری بیگار لی جاتی ہے اور ملک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر پابندی ہے۔ خواتین کی عصمت دری ایک معمول بن چکی ہے۔

شمالی اراکان کی سرحدی انتظامیہ نے اپنے ۳۱ مئی ۲۰۰۰ء کے اجلاس میں ایک فیصلہ کیا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو عارضی شناختی کارڈ کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ انھیں خصوصی سفری پاس حاصل کرنا ہوگا، جب کہ ۱۹۸۲ء کے شہری ایکٹ کے تحت شمالی اراکان کے مسلمانوں کو پہلے ہی "بے ریاست افراد" قرار دیا جا چکا ہے۔ عملاً صورت حال یہ ہے کہ اس "پاس" کے حصول کے لیے کم از کم ایک ہزار کیات (برما کی کرنسی) بطور رشوت ادا کرنا ہوتے ہیں جو کہ ایک بڑی رقم ہے۔ دوسری صورت میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک سرکردہ عالمی انسانی حقوق کی تنظیم "FIDH" نے اقوام متحدہ کے ادارے UNHCR پر الزام لگایا ہے کہ وہ برما کی حکومت کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ ان کی معلومات کے مطابق برمی حکومت اراکان کو مسلم آبادی سے خالی کرنے پر تلی ہوئی ہے مگر UNHCR مسلمانوں کی ہجرت کو معاشی مسائل کی بنا پر "معاشی ہجرت" قرار دیتا ہے۔ FIDH کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ ہجرت برمی حکومت کی تشدد' ظالمانہ اور مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک کی بنا پر ہو رہی ہے۔ مسلمان جان بچانے کی خاطر سرحد پار کر کے ہجرت کرتے ہیں مگر اقوام متحدہ کا یہ ذیلی ادارہ انھیں واپسی پر مجبور کرتا ہے۔ اس سب کے باوجود حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہزاروں مسلمان ہجرت پر مجبور ہیں۔

تاریخی پس منظر

اراکان کے شمال مغرب میں بنگلہ دیش اور مشرق میں برما ہے۔ اس کی آبادی ۴۰ لاکھ اور رقبہ ۱۵ ہزار ۸ سو مربع کلومیٹر ہے۔ ۸۰ فی صد مسلمان ہیں' جب کہ دیگر اقلیتوں میں بودھ نمایاں ہیں اور ایک قلیل تعداد میں ہندو اور عیسائی بھی آباد ہیں۔ یہ برما کا ۱۴ واں صوبہ اور مغربی ریاست ہے۔ یہ خطہ زراعت' قیمتی معدنیات' چاول اور مچھلی کی پیداوار کے لحاظ سے معروف اور ایک اہم بندرگاہ ہے۔ مجموعی طور پر برما میں مسلمان ۱۵ سے ۱۸ فی صد تک ہیں۔ اراکان' روہنگیا مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے۔ اراکان کا برما سے براہ راست زمینی رابطہ نہیں۔ مشرق میں کوہ ہمالیہ کا سلسلہ "اراکان یوما" کی بلند چوٹیاں اسے مکمل طور پر جدا کرتی ہیں۔ بنگلہ دیش کے ساتھ اس کی ۱۷۶ میل لمبی طویل آبی اور زمینی سرحد ملتی ہے۔

اراکان کے مسلمان "روہنگیا" کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ اراکان کے قدیم نام "روہنگ" سے ماخوذ ہے۔ عرب ظہور اسلام سے قبل ہی "خطہ روہنگ" سے بہ خوبی واقف تھے۔ مشہور مؤرخ آر بی سمارٹ کے مطابق: اراکان کے جنوب میں "رحمبری" کی بندرگاہ ابتدائی زمانے کے عرب جہاز رانوں کے لیے ایک مانوس نام تھا۔ عرب اس خطے میں آٹھویں صدی عیسوی میں پہلی مرتبہ پہنچے۔ عرب تاجروں کے ذریعے یہاں اسلام پہنچا۔ ۱۳ ویں صدی عیسوی تک آسام سے ملایا تک جگہ جگہ مسجدیں وجود میں آگئی تھیں۔ سلیمان شاہ نے گورنر بنگال ناصرالدین شاہ کی مدد سے مسلم مملکت اراکان ۱۴۳۰ء میں قائم کی۔ یہ اراکان کا بودھ راجا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس طرح مروکو شاہی سلسلے کی بنیاد رکھی گئی۔ ۴۸ مسلمان حکمرانوں نے یہاں ساڑھے تین سو سال حکومت کی۔ مسلمانوں اور مگھ بودھ کش مکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برمی راجا بودوپعیہ نے اراکان پر ۱۷۸۴ء میں قبضہ کر لیا۔ ۱۸۸۵ء میں برطانیہ نے برما پر قبضہ کر کے اسے برعظیم میں شامل کر لیا۔ جنگ عظیم دوم میں جاپان نے برما پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۴۲ء بودھوں کی متعصب جماعت "تھاکن" نے اوچو کھائیں کی قیادت میں ایک لاکھ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جب کہ پانچ لاکھ

مسلمان بے گھر ہو گئے اور بڑی تعداد میں دریائے ناف عبور کر کے موجودہ بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ تاریخ اراکان میں مسلم کشی کا یہ ایک بڑا سانحہ تھا۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۲ء کو بر تھی' ڈونگ اور مونگڈو کے علاقے میں مسلمان نے مزاحمت کر کے اپنی حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ای ڈی ایس مارکن نامی زمین دار کو خلیفہ بنایا گیا' مجلس شوریٰ قائم کر دی گئی اور ایک ملیشیا بھی تیار کی گئی۔ بعد میں انگریزی افواج نے یہاں قبضہ کر لیا۔ یہ اراکان کی آزادی کی ایک کوشش تھی۔ اسی بنا پر اراکانی مسلمان فخر سے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے پاکستان کا قیام ہم عمل میں لائے تھے!

آزادی کے بعد مسائل

۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہو گیا۔ اس سے قبل ۱۹۴۷ء میں پنیلونگ کے مقام پر ایک قومی کانفرنس میں آزاد وفاقی برما پر عمومی اتفاق رائے اس بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا کہ ۱۰ سال گزرنے کے بعد وفاق میں شامل ریاستوں کو علیحدگی حاصل کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اسی "معاہدہ پنیلونگ" کے تحت ۱۹۴۷ء میں آئین ساز اسمبلی کے انتخابات بھی کرائے گئے مگر اراکانی مسلمانوں کو حق رائے دہی سے جبراً محروم رکھا گیا۔ آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور ۳۰ ہزار مسلمان مشرقی پاکستان (موجود بنگلہ دیش) میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں اونو نے وزیراعظم بننے پر مساوی حقوق کا وعدہ کیا لیکن شہریوں کی رجسٹریشن کے بہانے مسلمانوں کو شہریت کے حق سے ہی محروم کر دیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں ۳۰ ہزار مسلمانوں کو جبراً برما سے نکال دیا گیا۔ آئے دن کے مظالم سے تنگ آکر روہنگیا مسلمانوں نے "مجاہد تحریک" کا آغاز کیا اور شمالی ارکان کا ۸۰ فی صد علاقہ خالی کروا لیا۔ اس تحریک کا قائد قاسم نامی ماہی گیر تھا۔ اس تحریک کا مقصد پاکستان سے الحاق تھا مگر حکومت پاکستان کی عدم دل چسپی پر یہ تحریک ختم ہو گئی۔ ۱۹۵۸ء میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ایک بار پھر مشرقی پاکستان ہجرت کے لیے مجبور ہو گئی۔

۱۹۶۰ء میں صدر پاکستان ایوب خان کے دورہ برما کے بعد ایک معاہدے کے تحت مہاجرین کی واپسی ہوئی۔

۱۹۶۲ء میں جنرل نی ون نے مارشل لا نافذ کر کے اشتراکی نظام کے نفاذ کی کوشش کی۔ اس دوران حج اور قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قرآن اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ممنوع ٹھہری۔ نماز پڑھنا ایک جرم بن گیا اور نصاب تعلیم سے اسلامی تعلیمات خارج کر دی گئیں۔ اُردو پر پابندی عائد کر دی گئی اور تمام اُردو اخبارات و جرائد بند کر دیے گئے۔ نیشنل رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کے نام پر خواتین کو نصف بدن کھلوا کر تصاویر اتروانے پر مجبور کیا جاتا کہ یہ شناخت کے لیے ضروری ہے۔ ۱۹۷۸ء میں "آپریشن ناگامن" کی آڑ میں ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور مسلمان ایک بار پھر بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو ایک معاہدے کے تحت مہاجرین کے واپسی شروع ہوئی مگر انھیں طرح طرح سے اذیتیں دی

گئیں۔ ۱۹۸۲ء میں ایک بار پھر قانون شہریت منظور کیا گیا جس میں اراکانی مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ انھیں غیر ملکی باشندے قرار دے دیا گیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے "اجازت نامہ" کا پابند بنایا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں فوج نے مارشل لا لگا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس وقت سے اب تک یہی فوجی آمریت برما پر مسلط ہے۔

انسانی حقوق کی صورت حال

برما فوجی آمریت کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق بری طرح پامال کیے جا رہے ہیں۔ تمام جمہوری آزادیوں پر پابندی عائد ہے۔ سیاسی رہنماؤں اور جماعتوں پر ناروا پابندیاں ہیں۔ ملکی معیشت ابتری کا شکار ہے۔ برما کی معروف رہنما آنگ سین سوکائی جنھیں پُرامن جدوجہد برائے بحالی جمہوریت کی بنا پر نوبل انعام کا مستحق ٹھیرایا گیا، پانچ برس سے نظربند ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی حقوق کی تنظیمیں مختلف رپورٹوں میں ابتر حالات کی نشان دہی کر چکی ہیں۔ انسانی حقوق کی ان خلاف ورزیوں پر یورپ اور امریکہ کی طرف سے برما پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کی کوشش بھی کی گئی مگر چین اور جاپان اپنے مفادات کے پیش نظر انھیں غیر موثر بنانے کے لیے برما سے تعاون کر رہے ہیں۔ مجموعی طور پر برما کی ابتر صورت حال کا اسی بات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بڑی تعداد میں لوگ بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ ہجرت پر مجبور ہیں۔ سردست حکومت اپنی روش میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے بظاہر آمادہ نظر نہیں آتی۔

اس تمام تر صورت حال میں مسلمانوں کی حالت کچھ زیادہ ہی تشویش ناک ہے۔ حکومت برما مسلمانوں کی نسل کشی پر تلی بیٹھی ہے اور کوئی موقع جانے نہیں دیتی۔ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت محفوظ نہیں۔ تعلیم، صحت اور روزگار جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں بلکہ ناروا پابندیوں اور ٹیکس کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ علاج کی سہولت سے محرومی کے بعد ہر قسم کے مرض کے لیے دم اور تعویذوں پر انحصار کے لیے مجبور ہیں۔ تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں اس لیے صرف دینی مدارس ہی ذریعہ تعلیم ہیں۔ اگر ملازمتیں حاصل ہیں تو نچلے درجے کی برائے نام ملازمتیں ہیں۔ زرعی زمینوں پر حکومت نے قبضہ کر لیا ہے اور مالکان زمین مزارعوں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ماہی گیری پر بھاری ٹیکس عائد ہیں۔ مسلمان شہریت جیسے بنیادی حق سے محروم ہیں اور خانہ تلاشیاں، بلاجواز گرفتاریاں، بلامعاوضہ جبری بیگار، خواتین کی بے عزتی اور عصمت دری، مساجد اور علما کی توہین، نقل و حرکت کے لیے سفری اجازت نامہ کی پابندی اور جان و مال کا خطرہ جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ برما حکومت کسی غیر ملکی کو اراکان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ آج بھی بڑی تعداد میں مسلمان بنگلہ دیش میں اور اراکان کے جنگلوں میں مہاجرین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

بنگلہ دیش نے معاشی مسائل اور دیگر وجوہات کی بنا پر اپنی سرحدیں اراکانی مسلمانوں پر بند کر رکھی ہیں۔ اگر وہ برما کی سرحدی فورس (ناساکا) کے مظالم سہتے ہوئے کسی طرح سرحد پر پہنچتے ہیں تو انھیں ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ واپسی کا مطلب موت یا مصائب اور اذیتیں ہیں۔ جو مہاجرین اس وقت بنگلہ دیش میں مہاجر کیمپوں میں اقوام متحدہ کے زیرانتظام قیام پذیر ہیں' ان کی حالت بھی قابل رحم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی خدمت کی آڑ میں مختلف مشنری تنظیمیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور عیسائیت کے چنگل میں پھانسنے کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔

اراکانی مسلمانوں کا عزم

ان دگرگوں حالات میں اراکانی مسلمان اپنی جدوجہد آزادی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس وقت دو بڑی تنظیمیں نمایاں ہیں: ایک روہنگیا سالڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور دوسری حرکۃ الجہاد الاسلامی اراکان ہے۔ آر ایس او کے سربراہ ڈاکٹر محمد یونس ہیں۔ ان کا ترجمان ماہنامہ انصاف ہے جب کہ حرکۃ الجہاد الاسلامی کے سربراہ مولانا عبدالقدوس مجاہد ہیں اور ان کا ترجمان ماہنامہ الرباط ہے۔ یہ تنظیمیں دعوت دین اور سماجی و رفاحی خدمت کی بنیاد پر کام کر رہی ہیں۔ آر ایس او نے حکومت کے بدترین مظالم اور مسلمانوں کی نسل کشی کو دیکھتے ہوئے آخری چارہ کار کے طور پر ۲ اپریل ۱۹۹۴ء سے مونگڈو میں گوریلا کارروائی کے تحت دھماکوں سے مسلح جہاد کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ اراکان کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں ان کے تربیتی کیمپ ہیں جہاں باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ اراکانی مجاہدین بہت سے معرکوں میں حکومت کو بھاری نقصان بھی پہنچا چکے ہیں۔ گو یہ سلسلہ ایک تواتر سے جاری ہے مگر بے سروسامانی کے عالم میں جاری اس جہاد سے کوئی بڑی توقع باندھنا قبل از وقت ہے۔

اراکان کے مسلمان جس طرح سے اپنی جدوجہد آزادی کو ایک مدت سے جاری رکھے ہوئے ہیں' یہ جہاں ان کے عزم و حوصلہ اور استقامت کا منہ بولتا ثبوت اور قابل ستایش ہے وہاں امت مسلمہ کے لیے بھی اس میں ایک سبق پوشیدہ ہے۔ اسلام دراصل ایک تحریک ہے۔ مسلمان دیگر قوموں کی طرح محض ایک نسلی قوم نہین ہیں بلکہ انھیں دنیا میں اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کا مشن سونپا گیا ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا۔ اگر اراکان کے مسلم حکمران صحیح معنوں میں اللہ کی بندگی کرتے' اپنے اخلاق و کردار سے گردونواح کے لوگوں کا دل موہ لیتے اور اپنی طاقت کو اللہ کی حاکمیت کے قیام کے لیے استعمال کرتے تو آج گردونواح کا پورا خطہ مسلمانوں پر مشتمل ہوتا۔ یہی غلطی ہندستان کے مسلم حکمرانوں نے بھی کی تھی۔ اب یہ احساس اراکانی مسلمانوں میں جڑ پکڑنے لگا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اراکان کی جدوجہد آزادی کے ساتھ ساتھ برما میں بنیادی حقوق اور

جمہوریت کی بحالی کے لیے پُرامن مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ جمہوری آزادی کے نتیجے میں جہاں برما کے مظلوم عوام کو آزادی مل سکتی ہے وہاں اراکان کی آزادی کی منزل بھی قریب آ سکتی ہے۔ (ماخذ: اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی' محمد الیاس انصاری' حرا پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور۔ عصر حاضر کی جہادی تحریکیں' پروفیسر محمد شفیق ملک' نوید سحر پبلی کیشنز' ۴۲- چیمبرلین روڈ' لاہور۔ Rohingya Struggle' الحاج محمد علی' شارجہ' عرب امارات۔ ہم کہاں پڑے ہیں؟ سیف اللہ خالد' اتحاد الطلاب المسلمین' اراکان۔ ماہنامہ انصاف' کراچی۔ ماہنامہ الرباط' کراچی۔ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ' لاہور)۔

وسط ایشیا: تین ملکوں میں بحرانی کیفیت

مسلم سجاد

برسلز میں قائم انٹرنیشنل کرائسس گروپ (ICG) نے ابھی اگست میں ایک مطالعہ وسط ایشیا: تین ریاستوں میں بحرانی کیفیات شائع کیا ہے جو حیرت انگیز طور پر خاصا غیر جانب دارانہ ہے۔ یہ گروپ تحقیق و تجزیے کا ایک نجی آزاد ادارہ ہے جس کا مقصد دنیا میں ان امکانی مقامات کا تعین کرنا ہے جہاں بحران پھوٹ پڑنے کے قوی اندیشے ہوں۔ اس ادارے کو بعض افراد' اداروں' مغربی حکومتوں اور جاپان کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اس مطالعے میں بتایا گیا ہے کہ وسط ایشیا کی تین ریاستیں تشویش ناک حالات سے گزر رہی ہیں۔

۱۹۹۱ء میں سوویت روس کی پانچ سابق مسلم جمہوریاؤں کی رسمی آزادی یہاں کے عوام کے لیے بالعموم ناامیدی اور مایوسی کا سبب بن رہی ہے۔ وہ بالعموم روس کے ظالمانہ استحصال کے دور سے بھی بدتر حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ درحقیقت وہی طبقہ جو پہلے ماسکو کی طرف سے اقتدار پر متمکن تھا' اب بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اقتدار سے چمٹے ہوئے ہے' بلکہ انھوں نے اپنی مراعات اور کروفر میں اضافہ کر لیا ہے اور عوام آزادی کی حقیقی نعمتوں سے محروم ہی ہیں۔

سابقہ نظام' جس میں مذہب اور روایات سے وابستہ مسلم عوام پر ایک اجنبی کلچر جبرو استبداد سے مسلط کیا جاتا تھا' نئے عنوان سے آج بھی قائم ہے۔ عوام احتجاج کرتے ہیں' سول نافرمانی کرتے ہیں' پُرتشدد مزاحمت کرتے ہیں اور ریاستی ظلم و جبر کا شکار ہوتے ہیں۔ ظالم حکمران اور ان کے بیرونی پشت پناہ وسط ایشیا کی خطرناک اور غیراطمینان بخش صورت حال کا سبب اسلامی بنیاد پرستی کو قرار دیتے ہیں۔

آئی سی جی کا یہ جائزہ خود علاقے میں جا کر حالات کا مطالعہ کر کے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں حقائق کو پیش